زندگی جب تک !

تبصرہ از سرکار زینی جارچوی

حیات اور ممّات ایک ہی فطری عمل کے دو مختلف پہلو ہیں۔ یہ خود کار عمل پوری کائنات میں بصورتِ دائرہ جاری وساری ہے اور جو عمل دائرہ کی شکل میں جاری ہو، وہ کبھی اختتام پذیر نہیں ہوتا، چنانچہ کائنات کا ایک ایک ذرہ ارتقائی عمل کی تکمیل کے لئے محوِ سفر ہے۔

جہاں تک جان دار اور بالخصوص انسان کا تعلق ہے تو اس کی حیات ہی سفر ہے۔ انسان کا حیاتی سفر شکم مادر سے شروع ہو کر موت کی منزلیں لیتے ہوئے مادرِارض کے بطن میں پہنچ کر ختم ہوتا ہے۔ انسان کی پوری زندگی ایک سفر ہے، حتیٰ کہ جب یہ آرام دہ بستر پر دراز ہو تب بھی تخیّل وتصوّر کی دنیا میں محوِ سفر رہتا ہے اور جب خوابِ غفلت میں پڑا ہو تب بھی عالمِ خواب کا سفر کر رہا ہوتا ہے۔ انسان کی پوری زندگی ایک سفر ہے، اس لئے ''سفر کب تک؟'' کا جواب 'زندگی جب تک!' ہی ہوسکتا ہے۔

اگر چہ انسان نے وجود میں آنے کے ساتھ ہی صحیح معنیٰ میں سفر کا آغاز اسی وقت کر دیا تھا جب وہ جنگلوں میں رہتا تھا، غذائی ضرورت اور موسمی تبدیلیوں کے سبب نقلِ مکانی پر مجبور تھا، نئے قدرتی مناظر اور فرحت انگیز سبزہ زاروں سے لطف اندوز ہوتا تھا......زبان نے جو وجود حاصل کیا تو سفر کی لطف انگیزیوں اور قدرتی مناظر کے تاثرات کو دوسروں تک پہنچایا گیا، مقامات کے فوائد کا ذکر کیا گیا۔ یہیں سے کہانیوں کی

ابتداء ہوئی اور یہی کہانیاں افسانہ، ناول اور داستان میں تبدیل ہوکر ادب کو وجود میں لانے کا ذریعہ بنیں۔ سفری جذبات واحساسات اور اثرات ہی ادب کی تخلیق کا سبب بنے اور انہی سفری مشاہدات نے تاریخ کو جنم دیا۔لیکن کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ اس عرصہ میں نہ تو کسی سفرنامہ نے وجود حاصل کیا، نہ اسے ادب میں کوئی جگہ ملی اور نہ ہی کسی سیاح نے سفری حالات ترتیب دے کر قلمبند کئے جو سفرنامہ کہے جائیں۔ بہت سے ممالک کی دریافت سفر ہی کے دوران ہوئی تھی۔ امریکہ کی دریافت سفر ہی کا نتیجہ ہے۔ ایسے سیاحوں میں مارکوپولو، ابنِ بطوطہ وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ تاریخِ فرشتہ بھی مختلف مقامات کی سفری تاریخ ہے۔ اسی لئے دورِ حاضر میں سیاحت کو بلند مقام حاصل ہے۔

سیاح دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو بیرونِ ملک سیاحت کو پسند کرتے ہیں اور ایک وہ جو اندرونِ ملک سیاحت کرتے ہیں۔ اندرونِ ملک کے سیاح اپنے سفر کے حالات شاید اس لئے قلم بند نہیں کرتے کہ اکثر لوگ ایک سے دوسرے مقام آتے جاتے رہتے ہیں اور وہاں کے حالات بیان کرتے رہتے ہیں۔ اردو زبان میں شائع شدہ سفرناموں میں ایک نام سلطانہ ذاکر آدا کا ملتا ہے، جنہوں نے اندرون و بیرونِ ملک بیشتر مقامات کی سیاحت کی اور ایک طویل سفرنامہ مرتّب کیا جس کا نام "سفر کب تک؟" ہے۔ لیکن یہ اردو زبان میں پہلا سفرنامہ نہیں ہے، اس سے پہلے کئی پاکستانی خواتین نے سفرنامے مرتّب کئے ہیں۔ ان میں ایک نام سلمٰی اعوان کا ہے، جن کا پہلا سفرنامہ "میرا بلتستان" ہے اور دوسرا سفرنامہ "میرا گلگت و ہنزہ" ہے جو ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔

سلطانہ ذاکر آدا کا سفرنامہ "سفر کب تک؟" اپنی طرز کا منفرد سفرنامہ ہی نہیں، زندگی کا کارنامہ بھی ہے۔ یہ زندگی کے طویل ترین سفر کے واقعات و مشاہدات پر مشتمل ہے۔ اس سفر کی مدّت ایک اندازہ کے مطابق تقریباً پچاس سال ہوتی ہے (شکریہ جارچوی صاحب، لیکن درحقیقت اس سفر کی مدّت تقریباً ستّر سال ہے۔ سلطانہ آدا، ۲۰۰۲ء)۔ آدا صاحبہ کی تمام زندگی، بالخصوص شادی کے بعد کے تمام ایّام ہندو پاک اور دیگر ممالک کے مختلف شہروں کے درمیان سفر و حضر میں گزرے۔ شاید اسی لئے اس سفرنامے کا نام "سفر کب تک؟" تجویز کیا گیا۔ اب غالباً یہ سفر ابھی بھی جاری ہے اور جب تک زندگی ہے، یہ سفر جاری رہے گا۔

سفر و سیاحت سے متعلق آدا صاحبہ کا طرزِ فکر ان کی فکری رفعت کا غمّاز ہے، اور یہ ان کی کتنی اچھی سوچ ہے کہ جس نے جبری نقلِ مکانی و قیام کو سفر و سیاحت کا رنگ دے کر اپنی تحریری صلاحیت کو نہ صرف منوایا بلکہ اپنی قوم اور ہم وطنوں کو اہم معلومات فراہم کیں۔ آپ کا طویل ترین سفر و قیام سیاحوں کی طرح منصوبہ سازی کے تحتِ ارادی نہیں تھا بلکہ مقام کی تبدیلی کے حکم کے تحت جبری تھا۔ آدا صاحبہ کے اس نظریہ فکر کی داد دینی پڑتی ہے کہ آپ نے بھارت کی مختلف ریاستوں، صوبوں، شہروں، سرحدی و کوہستانی علاقوں، اور تقسیم کے بعد پاکستان کی متعدد سرحدی و کوہستانی آبادیوں کے علاوہ شہروں میں تبادلہ اور قیام کے دوران وہ فوائد حاصل کئے جو ایک سیاح سیاحت کے دوران ان علاقوں اور وہاں کے باشندوں کی تاریخ، تہذیب اور تمدّنی ذرائع سے حاصل کرتا ہے اور یہ معلومات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ سلطانہ آدا نے ایسے تمام علاقوں میں زبان کی تبدیلی اور معنیٰ کو بڑے دلچسپ انداز میں حسبِ موقع بیان کیا ہے۔ ریاست رامپور میں قیام کے دوران ضرورت کی اشیاٗ کی خرید و فروخت کے جو طریقے انہوں نے دیکھے اُن کا ذکر کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ خوردنی اشیاٗ کو فروخت کرنے والے گلیوں میں آوازیں لگاتے ہوئے گزرتے تھے۔ جس عورت کو اُس چیز کی ضرورت ہوتی، وہ اسے آواز دے کر روکتی اور دروازے پر آکر خریداری کر لیتی، یوں بازار جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ چنانچہ ایک روز انھوں نے مرغی اور انڈے فروخت کرنے والے کی آواز سنی تو فوراً اسے آواز دی، "اے مرغی والے، ٹھہرو ہمیں انڈے چاہئیں"۔ اس موقعے پر وہ کہتی ہیں، "مجھے فوراً خیال آیا کہ میاں، 'مرغی والے' کہنا تو گالی ہے یہاں پر، جیسے کہ پنجابی میں پنگے لینا"۔

اسی طرح آپ کے بچّے جوان ہوئے اور تعلیم کے دوران اور پھر پیشہ ورانہ وجوہات سے وہ بیرونِ ملک قیام پذیر ہوئے تو آپ کو ان سے ملاقات اور وہاں قیام کے لئے مسلسل یورپ اور امریکہ کے مختلف شہروں کا سفر اور وہاں قیام کرنا پڑا۔ انہوں نے اس دوران کے مغربی ممالک کی تہذیب و تمدّن سے متعلق مشاہدات اس سفر نامہ میں جمع کر دیئے ہیں۔ شاید یہ سفر ابھی جاری ہے۔ سلطانہ آدا کا یہ سفر نامہ پوری دنیا میں مرّتب کردہ تمام تر سفر ناموں میں اپنی طرز کا منفرد سفر نامہ ہے۔ اس کی یہ حیرت انگیز انفرادیت اس کی سفری اجتماعیت کے سبب ہے جو کسی سفر نامہ میں نہیں پائی جاتی اور ایسی ہی انفرادیت سلطانہ آدا کی تحریر میں ہے جو کسی مرد یا عورت سیاح کے سفر نامہ میں موجود نہیں۔ اس لئے سلطانہ آدا کو تمام عالمی سیاحوں میں منفرد سیاح کا

درجہ دیا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ انفرادیت دراصل ان کے جبری اسفار کے مجموعہ کی وحدت ہے اور یہ انہی کا واحد طرزِ فکر ہے۔ آداؔ صاحبہ نے اپنے تمام سفروں کو ایک ہی جِلد میں جمع کر دیا ہے۔ اسی لئے ان کے سفرناموں میں مسافرت کی ترتیب سے زیادہ داستانی رنگ ہے، جو کہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کیونکہ انہوں نے تقریباً نصف صدی کو ایک طویل سفر میں پیش کیا ہے۔

۔سرکار زینی جارچوی